ارشاد فرمایا "اس وقت تم زندگی سے محبت کرو گے اور موت سے ڈرو گے"

حالیؒ نے بھی کہا تھا ؎

گھٹا سر پہ ادبار کی چھا رہی ہے
فلاکت سماں اپنا دکھلا رہی ہے
نحوست پس و پیش منڈلا رہی ہے
چپ و راست سے یہ صدا آ رہی ہے
کہ کل کون تھے آج کیا ہو گئے تم
ابھی جاگتے تھے ابھی سو گئے تم

اور ہم نے جس نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا کلمہ پڑھا، ان سے بڑا شجاع و بہادر کائنات کی کسی آنکھ نے دیکھا ہی نہیں ہے۔ حنین کے دن گھات میں چھپے ہوئے کفار نے جب اچانک تیروں کی بوچھاڑ کر دی تو اسلامی فوج کے قدم اکھڑ گئے اور میدان چھوڑ کر بھاگ نکلے تو اس وقت نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی سوری کو ایڑ لگا کر کفار کی طرف بڑھ رہے تھے۔ حضرت عباسؓ فرماتے ہیں کہ میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سواری روکنے کی کوشش کر رہا تھا اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرما رہے تھے: انا النبی لا کذب، انا ابن عبدالمطلب "میں اللہ کا سچا نبی ہوں، جھوٹا نہیں ہوں، میں عبدالمطلب کا بیٹا ہوں، میدان نہیں چھوڑوں گا"

صحابہ کرام میدان کی طرف پلٹے، جنگ ہوئی۔ تھوڑی دیر بعد فتح ہو گئی۔ سات صحابہؓ نے جام شہادت نوش کیا اور کفار کے چھ ہزار قیدی بنائے گئے۔ چوبیس ہزار اونٹ، چالیس ہزار بکریاں، ایک لاکھ ساٹھ ہزار درہم مال غنیمت میسر آیا۔ یہ سب نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بہادری کا نتیجہ تھا۔ ؎

کٹیں جو چند گردنیں تو قوم کی ہو زندگی
لہو جو ہے شہید کا وہ قوم کی حیات ہے

اور یہ بات مشہور ہے کہ جس کو مرنا نہیں آتا اس کو جینا نہیں آتا۔ شہیدوں نے کہیں تو میدان بدر کو اپنے خون سے لالہ زار کیا اور کہیں احد، حنین، خندق اور کہیں بالاکوٹ کی پہاڑیوں کو اپنے خون سے گل زار کیا۔

شہداء کی شہادتوں نے اپنی قوم کو جینے کا شعور بخشا اور خود شہید ہو کر اپنی موت کو بھی اللہ کے فرمان کے مطابق زندگی میں تبدیل کر لیا۔ اور پھر یہ ماننا پڑے گا ؎

شہید کی جو موت ہے وہ قوم کی حیات ہے
حیات بھی حیات ہے تو موت بھی حیات ہے

سوانح علمائے اہلحدیث بلتستان

سراج العصر مفتی کریم بخش رحمۃ اللہ علیہ

عبدالرحیم روزی

مقام پیدائش ونام ونسب : غواڑی قدیم ضلع لداخ تحصیل سکردو بلتستان میں دریائے سندھ وشیوک کے سنگم سے ۱۲ میل مشرق میں دریائے شیوک کے جنوبی کنارے پر ہے۔ یہیں ۱۳۱۴ھ میں ابو رحیم کریم بخش بن محمد جان بن عبدالعزیزؒ کی ولادت ہوئی۔ یہ گاؤں زرخیز ہونے کے علاوہ مردم خیز بھی ہے

آپ بانی تحریک اہل حدیث مولانا عبدالرحیم بن عبدالعزیز کے بھتیجے اور بانی دارالعلوم مولانا محمد موسیٰ بن محمد علی کے چچا زاد بھائی تھے۔

تحصیل علم کے لئے سفر : آپ نے ابتدائی تعلیم مولانا محمد موسیٰ علیہ الرحمہ سے حاصل کی۔ پھر ہندوستان کی طرف سفر کرکے مدرسہ میاں نذیر حسین دہلوی میں داخلہ لیااور مولانا شرف الدین گجراتی (متوفی ۱۳۸۱ھ)اور مولانا محمد بشیر سہسوانی دہلوی سے ۱۳۴۳ھ میں سند فراغت حاصل کی۔ ان کے علاوہ مدرسہ عالیہ فتحپور میں مولانا سلطان محمود اور مولانا عبدالرحمٰن صاحبان سے بھی بالترتیب معقولات اور ادبیات میں فراغت کی ڈگری حاصل کی۔

اس کے بعد ۱۳۴۴ھ میں بعمر ۲۸ برس جائے پیدائش بلتستان کی طرف مراجعت فرمائی۔ یہاں آکر آپ نے قرآن مجید حفظ کرلیا۔ آپ آدھ پارہ تہجد کی نماز میں اور آدھ پارہ صبح کی نماز میں پڑھ لیتے تھے۔ اس طرح ہر ماہ قرآن مجید ختم کرتے تھے۔

تدریس و تبلیغ : پہلے پہل آپ نے موضع چھورکاہ شگر پھر موضع طورتک چھورہٹ اور ۱۳۵۰ھ میں مدرسہ منارالہدیٰ بلغار میں تعلیم و تبلیغ دین کا فریضہ ادا کیا۔ اس کے بعد ۱۳۵۷ھ میں مولانا محمد موسیٰ نے مدرسہ بلغار سے آپ کو بلاکر دارالحدیث (دارالعلوم) کا صدر مدرس اور مہتمم مقرر فرمایا۔ اس منصب پر حیات فائز رہے۔ آپ کے لئے آل انڈیا اہلحدیث کانفرنس کی طرف سے مبلغ ۱۰ روپے مشاہرہ مقرر تھا۔

آپ کی مقبولیت وخدمات : وسعت ظرفی اور بالغ نظری کی بنا پر آپ عوام وخواص ہم مسلک وغیر مسلک سب میں نہایت ہی مقبول وہر دلعزیز تھے۔ حتی کہ غواڑی میں شیعہ اور نوربخشیہ مکاتب فکر سے تعلق رکھنے والے بعض افراد آج بھی مولانا موصوف کے ثناخواں ہیں۔

آپ کی ہر دلعزیزی اور خدمات کا یہ حال تھا کہ :

۱۔ ۱۳۶۳ھ میں بالاتفاق انجمن اسلامیہ بلتستان کے ناظم امور عامہ منتخب کئے گئے اور ۱۳۷۱ھ تک اس پر فائز رہے۔

۲۔ ۱۳۷۲ھ بمطابق ۱۹۵۳ء میں آپ کو انجمن اسلامیہ کا صدر چنا گیا اور اس منصب جلیلہ پر تاحیات ۱۹۵۸ء خدمات پیش کرتے رہے۔

۳۔ جنگ آزادی بلتستان کے دوران آزاد فوج کی طرف سے پورے علاقہ کریس میں فراہمی راشن اور رضاکاران کا صدر منتظمہ مقرر ہوا اور خوب خدمات پیش کرنے کا موقع ملا۔

۴۔ جامع مسجد اہل حدیث چھوغوگرونگ غواڑی کی ۱۲۴۵ھ میں تعمیر شدہ عمارت کافی پرانی ہو چکی تھی۔ آپ کی تجویز سے علماء کرام کی نگرانی میں خوبصورت طرز پر تعمیر نو کی گئی۔ جو فن تعمیر کا ایک نادر شاہکار ہے اور اس دور کے عمدہ ذوق کا نمونہ ہے۔

مولانا موصوف کو غواڑی کے تمام طبقہ ہائے زندگی اور ہر مکتب فکر میں احترام سے دیکھا جاتا تھا۔ جو آپ کے علمی تفوق اور اخلاق عالیہ کا منہ بولتا ثبوت ہے۔ آپ چھوربٹ سے شگر تک تبلیغی دورہ فرماتے اور سفری صعوبتوں کو خندہ پیشانی کے ساتھ برداشت کرتے۔ مزید برآں مذہبی اختلاف رائے کا معاملہ کسی تھانے کی تفتیش سے کم نہ ہوتا تھا۔ بہر حال جس گھر میں فروکش ہوتے تو آپ کی شخصیت سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتے تھے۔

استاذ مکرم عبدالرشید صدیقی نے بوساطت شیخ الحدیث عبدالرشید ندوی، مولانا کریم بخش کے خادم خاص مولوی محمد کوروی کی روایت نقل کی ہے کہ ایک دفعہ دونوں حضرات طورتک چھوربٹ سے مراجعت فرما رہے تھے کہ سرموخپلو نامی گاؤں کے پار پہنچے جہاں سے بذریعہ کشتی دریائے شیوک عبور کرنا تھا۔ بروقت پہنچنے کے باوجود کشتی بان اس پار آنے سے لیت و لعل سے کام لیتے رہے تاکہ شام ڈھل جائے اور غیر مذہب آبادی میں شب باشی کے مشکلات میں پھنسا کر اپنے تئیں ثواب دارین حاصل کر سکیں۔ اس طرح دریا عبور کرتے کرتے رات ہو گئی۔ اب ''نہ جائے رفتن نہ پائے ماندن'' کا سامنا ہوا۔ کسی نے رئیس گاؤں کے گھر کی طرف اشارہ کیا۔ اس نے کافی لیت و لعل کے بعد اس شرط پر قیام کی اجازت دی کہ حضرت یوسف علیہ السلام کا قصہ سنائیں گے۔ ان دنوں کسی عالم دین کی صلاحیت جانچنے کا یہی طریقہ تھا۔

مالک مکان نے موصوف کو گھر کے کمتر جگہے پر بٹھایا۔ آپ نے حسب وعدہ سورہ یوسف کی تلاوت سے قصہ شروع کیا۔ رئیس صاحب جس رعونت اور دبدبے کے ساتھ بیٹھا ہوا تھا دیکھتے ہی دیکھتے موم ہونے لگے۔ اور فوراً صدر

نشین سے اٹھ کر آپ کو اپنی جگہ بٹھایا۔ اس دوران ارد گرد سے کافی لوگ بھی جمع ہوئے۔ رئیس صاحب نے ممکنہ حد تک آپ کی آؤ بھگت کی اور صبح الوداع کرنے کے موقع پر آپ سے دعا کرنے کی اور آئندہ بھی اپنے ہاں قدم رنجہ فرمانے کی اپیل کی۔

رئیس صاحب تو کچھ عرصہ بعد اس دنیا سے رخصت ہوئے۔ مگر آپ کے فرزند ارجمند رستم علی کے دل میں حق وصداقت کی جستجو کا شوق موجزن ہوا۔ اپنی سرکاری ملازمت کے دوران مفتی عبد القادر رحمۃ اللہ علیہ سے بحث و مناظرہ کے ساتھ باقاعدہ حدیث کا درس لینے لگے۔ یہاں تک کہ آپ سے صحیح بخاری ختم کی۔ اس طرح آبائی عقائد و اعمال کی دنیا بدل گئی۔ محکمہ مال سے منسلک رہنے کے باوجود انتہائی نیک نام رہے۔ آج کل موصوف المرکز الاسلامی سکردو میں مالیاتی خدمت پر مامور ہیں۔

مفتی مرحوم اور ان کے رفقاء کار علاقے میں جس اخلاص نیت سے توحید و سنت کی تبلیغ کر رہے تھے۔ بعض عناصر کو یہ کار خیر پسند نہیں آیا۔ ان درخشندہ ستاروں کے جھرمٹ کو منتشر کرنے کے لئے زیر زمین سازشیں تیار کرنے لگے۔ جو ١٣٦٥ھ بمطابق ٢٠٠٣ بکرمی کو جامع **مسجد سکردو** (کشوباغ) میں واقع ہونے والے دلخراش حادثے پر منتج ہوئی۔ جس میں سیرۃ النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نام پر اکابرین وعلمائے اہل سنت کو دعوت دے کر جو سواگت کی گئی وہ تاریخ کی ایک المناک داستان ہے۔ ان شر انگیز کارروائیوں میں ہندو وزیر وزارت لداخ لالہ رومیش کی آشیرباد حاصل تھی۔ ﴿وما نقموا منهم الا أن يؤمنوا بالله العزيز الحميد○﴾ (البروج۔٨) اس روح فرسا سانحے سے علاقے کے امن وآشتی کی فضا مجروح ہوئی۔ اور یہ کیس لداخ وکشمیر تک پہنچا اور فضا مکدر ہوئی۔ بالآخر اکثریتی فرقے کی طرف سے جناب مرزا یوسف حسین مبلغ مدرسۃ الواعظین لکھنؤ، شیخ محمد حسین اسکردو اور اہل سنت کی طرف سے مولانا کریم بخش اور مولانا عبد القادر کی قیادت میں صلح وصفائی کے پیہم سعی بلیغ کے بعد اتحاد بین المسلمین کی خاطر دستاویز پر دستخط ہوئے جس میں وہابی، رافضی وغیرہ القاب سے یاد کرنے سے کلی طور پر احتراز کرنا شامل ہے۔ اس مصالحت کی وجہ سے علاقے میں فرقہ وارانہ ہم آہنگی نسبتاً زیادہ پائی جاتی ہے۔

برجستہ گوئی و حاضر جوابی: مولانا عبد الباقی خان صاحب گویا ہیں کہ میں نے اپنی زندگی میں بہت سے علماء کو دیکھا اور سنا ہے۔ جن میں مولانا محمد عبدہ، مولانا عطاء اللہ حنیف اور حافظ محمد گوندلوی وغیرہ شامل ہیں۔ مولوی عبد القادر بھی زیرک عالم تھے۔ مگر میری آنکھوں نے حافظ کریم بخش جیسا حاضر جواب اور بدیہ گو کوئی نہیں دیکھا۔ کوئی بھی مسئلہ آپ سے پوچھا جاتا آپ تبسم افشاں ہو کر اطمینان بخش جواب دیتے کہ مزید پوچھنے کی ضرورت ہی نہ پڑتی۔ جبکہ دیگر

علماء تھوڑی دیر سوچ وبچار کر کے جواب دیتے۔ آپ کا ایک اور شاگرد شیخ محمد حسن اثری نائب ناظم جامعہ اپنے تاثرات اس طرح قلمبند کرواتے ہیں کہ آپ کو تمام علوم وفنون میں ید طولیٰ حاصل تھا۔

راقم کہتا ہے کہ جامعہ دار العلوم کی لائبریری میں آپ کا نام نامی تحریر شدہ مختلف بڑی کتابیں موجود ہیں جو فن حدیث، فن تفسیر اور فلکیات سے لے کر ہندسہ تک پر محیط ہیں اور آپ کے بعض فتاویٰ دیکھنے کا موقع ملا۔ فیصلہ نہایت پختہ، دلائل سے مزین ہے۔ جو کہ آپ کی قلبی بصیرت، بلاکی فراست اور وسعت مطالعہ کی بین دلیل ہے۔

آپ کے مطالعہ کا یہ عالم تھا کہ کام کاج کرتے وقت بھی ایک کتاب ساتھ رکھتے اور جستہ جستہ اس کا مطالعہ کرتے۔ حاجی شیر خان صاحب کا بیان ہے کہ آپ کے پاس ایک موٹی سی کتاب تھی جو طلباء کو پڑھاتے بھی تھے اور کام کاج کے وقت ازبر دہرا بھی لیتے، جہاں کہیں کھٹکے مطلوبہ صفحہ نکال کر دیکھ لیتے۔

ایک بار آپ مخروطی ٹوکرا پشت پر اٹھائے کھیتی باڑی کر رہے تھے کہ ایک اجنبی آپ سے مولانا مفتی کریم بخش کے متعلق پوچھنے لگا۔ معلوم ہوا کہ وہ شرعی مقدمہ کی بابت آیا ہے۔ فرمانے لگے: چلئے چلتے ہیں۔ میں ہی کریم بخش ہوں۔ یہ انہونی بات سن کر وہ آدمی سناٹے میں آگیا اور آبدیدہ ہو کر کہنے لگا کہ آپ کا نام ہمارے علاقے میں مشہور ہے اور بڑی عزت ہے۔ کاش یہ کام آپ کسی دوسرے آدمی سے کرواتے! مسکرا کر فرمانے لگے برخوردار! کوئی بات نہیں، میرے پاس بھی پیٹ ہے اور میں بھی دوسرے کسان بھائیوں کی طرح بے نیاز نہیں ہوں۔ کام کرنا باعث عزت ہے۔

فضیلت وبزرگی قیمتی پوشاک پہننے، کپڑوں پر شکن نہ آنے دینے، دوسروں کو اپنے سے حقیر جاننے میں نہیں ہے اور نہ ہی کام کاج کرنا، خدمت خلق بجالانا، ہاتھ بٹانا قابل مذمت ہے بلکہ یہ چیزیں تو تعلیمات رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں داخل ہیں۔ جو لوگ فی الواقع صاحب کمال ہوتے ہیں وہ مصنوعی افسانوی شخصیت گری کو کوئی وقعت نہیں دیتے۔ ان کی نگاہ میں عظمت و کرم کا معیار صرف یہ ہے: ﴿ان اکرمکم عنداللہ اتقاکم﴾ (الحجرات) اسی حقیقت کی طرف حماسی شاعر اشارہ کرتا ہے ؎

اذا المرء لم یدنس من اللوم عرضه
فكل رداء يرتديه جميل
و ان هو لم يحمل على النفس ضيمها
فليس الى حسن الثناء سبيل

ترجمہ :۔ جب آدمی اپنی عزت کو بخل کے ساتھ میلا نہ کرے، تو جو چادر بھی پہنے خوبصورت لگتا ہے اور اگر وہ اپنے نفس پر ظلم نہ کرے اور خرچ کرنے کی عادت نہ ڈالے، تو اس کے لئے اچھی تعریف حاصل کرنے کا کوئی موقع نہیں ہے۔

آپ کے تلامذہ : آپ کے پاس باقاعدگی سے پڑھ کر فارغ التحصیل ہونے والے طلباء کی تعداد چوبیس ہے۔ جن میں غواڑی سے مولانا ابراھیم انصاریؒ، مولانا احمد سعیدؒ، آپ کا داماد مولانا عبدالرحمٰن خلیقؒ، مولانا عبدالخالق حفظہ اللہ، کورو سے شیخ محمد حسن اثری، مولانا ثناء اللہ سالک، بلغار سے شیخ الحدیث عبدالرشید ندوی، مولانا محمد فاروق، مولوی احمد حسنؒ اور مختلف جگہوں سے مولانا مفتی عبدالقادرؒ ابراھیم، مولانا عبدالباقی، مولانا عبدالمنانؒ کریسی، مولوی عبدالرحیم گینتھاویؒ، مولوی محمد یونسؒ قابل ذکر ہیں۔ البتہ آپ سے جزوی استفادہ کرنے والوں کی تعداد بہت زیادہ ہے۔

آپ کا دولت خانہ طلباء کے لئے نعمت کدہ تھا : بقیۃ السلف مولانا عبدالباقی دیگر چند علماء کے ساتھ عہد رفتہ اور حال کے درمیان ایک زنجیر کی صورت موجود ہے۔ موصوف مفتی کریم بخشؒ کے ارشد تلامذہ میں سے تھے۔ آپ نے مفتی مرحوم کو قریب سے دیکھا' پرکھا اور بصیرت کے ساتھ ایک ایک واقعہ اپنی یادداشت میں محفوظ رکھ کر نئی نسل کو بزرگان دین کے ایمان افروز واقعات سے متعارف کرواتے ہیں۔ ایک موقع پر آپ نے فرمایا : اللہ تعالیٰ مفتی کریم بخش کو اپنے جوار رحمت میں جگہ دے۔ آپ طلباء کے لئے ایک عظیم مشفق و مہربان باپ تھے اور آپ کا مکان طلباء کے لئے نعمت کدہ تھا۔ جہاں ہمیشہ طلباء کا جھرمٹ رہتا۔ یہی حال دارالعلوم کے قرب و جوار میں آباد گھروں میں بھی ہوتا۔ مگر مرحوم کے پاس طلباء بڑی تعداد میں ہوتے۔ آپ کی فیاضی کا یہ عالم تھا کہ طلباء اور مہمانوں سے افراد خانہ کی طرح بے تکلفی سے پیش آتے تھے۔ اسی طرح مرحوم کی دونوں بیویاں بھی طلباء کے لئے عظیم مائیں ثابت ہوئی تھیں۔ کہ اپنے عظیم شوہر کی طرح وہ بھی طلباء کا ہر طرح سے خیال رکھتیں۔ طلباء کے کپڑے دھوتیں، طلبا کے راشن کا غلہ صاف کر کے پن چکی پینے لے جاتیں اور روٹی پکا کے کھلاتیں۔

استاد جی گھر خالی کیجئے!

استاد اور طلباء کے مابین جو قریبی اور آزادانہ رشتہ تھا۔ اسے مولانا عبدالباقی صاحب ان الفاظ میں بیان کرتے ہیں :"ایک بار آپ کے مکان پر فروکش کثیر تعداد طلباء نے ازراہ خوش طبعی آپ سے کہا "استاد جی! اس گھر میں ہم اکثریت اور آپ اور اہل خانہ اقلیت میں ہیں۔ یہ گھر ہمارے لئے خالی کر کے آپ کہیں اور چلے جائیں"! یہ سننا تھا کہ آپ کافی دیر تک ہنستے رہے اور فرمانے لگے :واقعی اسی طرح ہونا چاہئے۔

طلباء اور گونگوں کے متعلق وصیت :

آپ جہاں طلباء کے ساتھ ہمدردی فرماتے وہاں معاشرے کے پسماندہ اور معذور و بہرے گونگے لوگوں سے بھی شفقت فرماتے اور ان میں سے اکثر کا ماوی و ملجاء آپ کا دولت خانہ ہی ہوا کرتا تھا۔ واقفان حال کا بیان ہے کہ ان معذوروں سے سلوک میں کوتاہی پر کبھی اہل خانہ کو ڈانٹتے بھی تھے یہاں تک آپ نے ان کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آنے کی باقاعدہ وصیت فرمائی۔

ذاتی حلیہ و اوصاف : آپ کا قد کاٹھ متناسب، بدن بھاری بھر کم، چہرہ بیضوی اور ٹھڈی پر مختصر داڑھی تھی۔ نہایت خوش اخلاق اور شگفتہ مزاج انسان تھے۔ مولانا عبد الباقی کے ارشاد کے مطابق مرحوم شکل و شباہت میں اپنے نواسے مولانا عارف عبد الحکیم (ایم اے مدینہ یونیورسٹی) سے مشابہ تھے۔

علالت اور وفات : آپ کے شاگرد رشید مولانا عبد الرشید ندوی وغیرہ کا کہنا ہے کہ آپ نے وفات سے ایک برس قبل فرمایا تھا کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم اور آپ کے دونوں عظیم ساتھیؓ ۶۳ برس کی عمر میں وفات پا گئے ہیں۔ امید ہے کہ میں بھی عمر رسول صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم پا کر وفات پاؤں گا۔ اس طرح آپ ٹھیک ۶۳ برس کی عمر میں وفات پا گئے۔

راقم کہتا ہے کہ اس لحاظ سے آپ کا سن ولادت ۱۳۱۴ھ ہے۔ جبکہ الحاج خلیل الرحمٰن نے ۱۳۱۶ھ لکھا ہے۔ واللہ اعلم

آپ نے سنت نبوی کے مطابق تمام ضروری امور میں وصیت فرمائی۔ بابا عبد الملک صاحب کا بیان ہے کہ مرحوم نے حاجی خلیل الرحمٰن کو بطور خاص وصیت فرمائی کہ یوگو سے مفتی عبد القادر کو دار العلوم غواڑی بلائے۔

رحلت سے ایک ماہ قبل اپنے معتمد شاگرد ارشد حاجی خلیل الرحمٰن کو دار العلوم کا ناظم مقرر کیا۔ اور وفات سے چار یوم قبل اراکین منتظمہ کو ان کے ساتھ مکمل تعاون و تائید کرنے کی وصیت فرمائی۔ اس کے علاوہ طلباء اور بے سہارا گونگوں کے متعلق وصیت کی۔ اس طرح مرحوم نے حفظ ما تقدم کے طور پر ادارہ کی تنظیم و تنسیق مکمل فرمائی اور ۲۰ برس نظامت اعلیٰ کے فرائض انجام دے کر یکم ذی قعدہ ۱۳۷۷ھ بمطابق ۲۳ مئی ۱۹۵۸ء جمعرات کی شب آسمان علم و عمل کا یہ آفتاب غروب ہوا۔ ﴿انا للہ وانا الیہ راجعون﴾ وفات کی خبر جنگل کی آگ کی طرح آناً فاناً چہار سو پھیل گئی۔ اور کہرام مچ گیا۔

آپ کے خاندان کے ایک بزرگ بابا شیر خان کا بیان ہے کہ جب ہم آپ کو غسل دے کر فارغ ہوئے تو آپ کا چہرہ ایسا بارونق اور شگفتہ ہوا تھا گویا کھلا ہوا گلاب ہو، اور انداز ایسا تھا کہ کچھ بولنے والا ہو۔ آپ کی نماز جنازہ میں اہلحدیثوں